تبصرہ کتب

۞ جگن ناتھ آزاد، تعمیر فکر، کریسنٹ ہاؤس پبلی کیشنز ۲۶۷، جوگی گیٹ، جموں، صفحات ۲۹۳، قیمت ۲۵۰/- روپے۔ مبصر: رفیع الدین ہاشمی

مصنف نے یہ کتاب تقریباً ایک برس پہلے ارسال کی تھی، اس کے ساتھ ناظم اکادمی محمد سہیل عمر کے نام ایک مختصر رقعہ تھا: ''یہ کتاب اوّل سے آخر تک اقبالیات سے متعلق نہیں ہے۔ لیکن پہلے حصے میں سات مقالات کا موضوع اقبالیات ہے۔

''۵۷ صفحات پر مشتمل اقبالیات کا حصہ، اگر اسے تبصرے کی چند سطروں کا مستحق بنا سکے تو شروع کے ۵۷ صفحات پر چند الفاظ اقبال ریویو (اردو) میں لکھ کر یا کسی اور تبصرہ نگار سے لکھوا کر مجھے ممنون کریں۔

والسلام، خیر اندیش

جگن ناتھ آزاد

۲۵/اگست ۲۰۰۳ء''

افسوس ہے رسالے کی اشاعت میں غیر معمولی تاخیر کے سبب، اب تک اس پر تبصرہ نہ کیا جا سکا، اب آزاد صاحب کی خواہش کے مطابق، ذیل میں اس پر اظہار خیال کیا جا رہا ہے۔

(ادارہ)

آزاد کی اقبالیاتی شخصیت اور اقبالیاتی مصنف کی حیثیت اس قدر نمایاں اور معروف ہے کہ ہم اُن کی دوسری حیثیتوں (مثلاً شاعر، محقق، نقاد، سفرنامہ نگار وغیرہ) کو ثانوی سمجھ کر ان سے اعتنا نہیں کرتے حالانکہ ان کی یہ ثانوی حیثیتیں بھی قابلِ لحاظ اور لائق توجہ ہیں۔

تعمیر فکر کا ابتدائی حصہ سات اقبالیاتی مضامین پر مشتمل ہے۔ مابعد حصے میں ''سازِ جرس''، ''جدید اردو شاعری اور اقبال'' اور ''مجاز جے پوری کی تضامینِ اشعارِ اقبال'' بھی اقبالیاتی تحریریں ہیں اور یہ دس تحریریں ۸۵ صفحات کو محیط ہیں۔ غیر اقبالیاتی چھوٹے بڑے مضامین کی تعداد تقریباً ۳۰ ہے۔ ان میں سے کچھ تو شخصیات پر ہیں (حالؔی، جمیل مظہری، ساغر خیامی، خمار بارہ بنکوی، اشرف شاد وغیرہ) ایسے مضامین میں متعلقہ حضرات متعلقہ شخصیت کی سوانحی جھلکیاں دکھانے کے ساتھ ساتھ اس کی شعری یا نثری تخلیقات پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ چند مضامین نثری کتابوں پر بھی ہیں، جیسے کچھ یادیں کچھ باتیں (پروفیسر محمد شمیم جے راج

پوری) معاون تحقیق (عبداللہ خاور) زیادہ تر شعری مجموعوں پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ بعض موضوعات بہت دلچسپ ہیں، جیسے: ''اردو شاعری میں گاندھی جی کا ذکر'' یا ''مشاعرے کی اہمیت'' یا ''جدید ہندستان کے سکولوں میں اردو کی درس و تدریس'' وغیرہ۔ یہ سب مضامین جگن ناتھ آزاد کی تنقیدی نظر اور شعر و ادب کو پرکھنے کی خداداد صلاحیت کے عکّاس ہیں۔

اقبالیاتی مضامین میں ''اقبال کی غزل کا ابتدائی دور''۔ ''اقبال کے دس اشعار''۔ ''شیخ محمد عبداللہ اور ڈاکٹر محمد اقبال''۔ سید میر شکر کی کتاب: محمد اقبال ۔ علی شریعتی کی کتاب مصلح قرن آخر اور ھندستان میں اقبالیات وغیرہ شامل ہیں۔ کوثر صدیقی کے ہاں آزاد نے اقبال کے رنگ سخن اور تقلید کے شواہد دریافت کیے ہیں۔

یہ امر مسلّم ہے کہ آزاد اقبال کی شاعری سے گہرا شغف رکھتے تھے۔ ایک جگہ انھوں نے بتایا ہے کہ ''مجھے کلام اقبال، سارے کا سارا از بر تھا، ان کا متروک کلام بھی'' (ص ۳۱) چنانچہ اُن کی اقبالیاتی تصانیف میں فقط رسمی اور روایتی باتیں نہیں بلکہ نکتہ آفرینی بھی موجود ہے۔ اس سلسلے میں ''اقبال کے دس اشعار'' قابل مطالعہ ہے۔ مثلاً بال جبریل کا معروف شعر ہے:

محمد بھی ترا ، جبریل بھی ، قرآن بھی تیرا
مگر یہ حرف شیریں ترجماں تیرا ہے یا میرا؟

اس شعر کے حوالے سے ایک مدت سے یہ بحث جاری ہے کہ یہاں ''حرفِ شیریں'' سے اقبال کی مراد کیا ہے؟ مختلف شارحین نے احادیثِ رسولؐ، آیات قرآنی اور اقبال کی شاعری کو ''حرف شیریں'' قرار دیا ہے آزاد صاحب اس سے انسانی جذبۂ عشق مراد لیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اقبال اس شعر میں عظمتِ آدم کا تصوّر پیش کر رہے ہیں جو اُن کا محبوب موضوع ہے۔ ایک اور شعر ہے:

آیۂ کائنات کا معنی دیریاب تو
نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو

بعض شارحین (جیسے: یوسف سلیم چشتی، غلام رسول مہر، عبدالرشید فاضل) نے اسے نعتیہ قرار دیا ہے لیکن چند حضرات (جیسے ڈاکٹر عبدالمغنی، ڈاکٹر اسرار احمد) اسے حمدیہ کہتے ہیں۔ آزاد اوّل الذکر نقطۂ نظر سے اتفاق کرتے ہیں۔ ''شیخ محمد عبداللہ اور ڈاکٹر محمد اقبال'' بھی ایک دلچسپ مضمون ہے، جس میں اقبال اور کلام اقبال سے شیخ محمد عبداللہ مرحوم کی دل بستگی کا ذکر کیا گیا ہے۔ آزاد کا خیال ہے کہ اقبال نے جاوید نامہ میں جن دو کشمیری شخصیات کا ذکر کیا ہے، ان میں سے ایک ہمدانی ہیں اور دوسرے شیخ محمد عبداللہ۔ اسی طرح یہ بات بھی محلِ نظر اور قابلِ تحقیق ہے کہ بقول شیخ محمد عبداللہ: ''اقبال ہی نے مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں تبدیل کرنے کا مشورہ دیا تھا۔'' (ص ۴۴)

سید میر شکر کی کتاب محمد اقبال کا ترجمہ کبیر احمد جائسی نے کیا ہے اور ترجمے کے ساتھ نہایت تفصیلی تعلیقات کا اضافہ بھی۔ یہاں آزاد نے تعلیقات کے حوالے سے بڑی پتے کی بات کہی ہے کہ جائسی نے یہ

تعلیقات کسی انسائیکلوپیڈیا میں اندراج کے انداز پر لکھ ڈالی ہیں ۔اوّل تو ان تعلیقات کی ضرورت ہی نہیں تھی، مثلاً جنیند رکمار اور پرویز شاہدی پر تین تین، چار چار صفحے اس کتاب پر لکھنا جو اقبال کے متعلق ہے، بالکل ایک غیر متعلق سی بات ہے۔

آزاد کی یہ بات ہمارے محققوں اور تدوین کاروں اور تالیفات نگاروں کے لیے راہ نما اصول کی حیثیت رکھتی ہے۔آزاد کی تنقید میں نکتہ آفرینی اور بصیرت ملتی ہے اوران کی زبان و بیان اور اسلوب میں ایک طرح کی دل کشی ہے۔جس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ وہ شخصی حوالوں اور ذاتی یادداشتوں کے ذریعے اپنی تحریروں کو دلچسپ بنا دیتے ہیں۔شخصی حوالوں کے ضمن میں یہ بات اہم ہے کہ ان مضامین میں خود ان کی اپنی شخصیت اور سوانح کے بارے میں بڑی قیمتی معلومات ملتی ہیں، مثلاً: ایک جگہ انھوں نے اپنی سگریٹ نوشی کے ترک کا قصہ بیان کیا ہے: ''جس کے بعد آج تک تمباکو کے دھوئیں سے نفرت ہی نفرت جاری ہے۔'' (ص ۱۲۵)

ان کی زندگی کا ایک اور دلچسپ ورق اس طرح ہے:

میں ۱۹۳۷ء میں گارڈن کالج، راولپنڈی سے بی اے کا امتحان پاس کرنے کے بعد ایم اے میں داخلہ لینے کے لیے لاہور آ گیا تھا۔لیکن لاہور کی ادبی محفلیں اس طرح زنجیر بن گئیں کہ میں کئی برس تک ایم،اے میں داخلہ نہ لے سکا۔ ادبی دنیا ،ھمایوں اور شاھکار کے دفاتر، نگینہ بیکری، عرب ہوٹل چند ایسی جگہیں تھیں، جہاں زیادہ تر وقت بسر ہونے لگا۔یہاں لاہور کے اور باہر سے لاہور آنے والے اہل قلم حضرات کے ساتھ ملاقاتیں بھی شروع ہو گئیں۔مشاعروں کے دعوت نامے بھی موصول ہونے لگے اور میں انھی لمحات کو حاصلِ زندگی سمجھ کر ایم اے میں داخلے کو پانچ سات برس تک زیب طاقِ نسیاں بناتا چلا گیا۔(ص ۱۴۹)

تعمیر فکر کے اقبالیاتی مضامین کتاب کے ایک تہائی حصے پر محیط ہیں، اس لیے اس کا شمار اقبالیاتی تصانیف میں نہیں ہوگا، کیونکہ اصول یہ ہے: اقبالیاتی لٹریچر میں وہی کتاب شمار ہوگی جس کا غالب حصہ اقبالیاتی تحریروں پر مشتمل ہو۔

❁ ❁ ❁

❁ *Iqbal: A Selection of Urdu Verse*، (مترجم) ڈیوڈ میتھیوز، سکول آف اورینٹل اینڈ افریقن سٹیڈیز، یونی ورسٹی آف لندن، ۱۹۹۳ء، صفحات ۲۸۹، قیمت۔/۱۲ پونڈ مبصر: پروفیسر غلام رسول ملک، شعبۂ انگریزی، کشمیر یونی ورسٹی، سری نگر، (ترجمہ محمد ایوب لِلّٰہ)

بیسویں صدی کے اوائل میں، اقبال نے جب ایک اہم شاعر کی حیثیت سے شہرت حاصل کی تو انگریزی میں ان کی شاعری کے متعدد تراجم کیے گئے۔آر اے نکلسن پہلا شخص ہے جس نے اسرار خودی کا انگریزی ترجمہ کر کے اقبال کو انگریزی قارئین میں متعارف کروایا۔کچھ عمدہ تراجم اے۔جے آربری، انا ماری

شمل، بی اے ڈار اور ہادی حسین نے بھی کیے، لیکن یہ سب اقبال کے فارسی کلام کے ترجمے ہیں۔ اقبال کے اردو کلام سے ایک عمدہ انتخاب اور اسے انگریزی میں منتقل کرنے کی مزید ضرورت تھی۔ ڈیوڈ میتھیوز کا موجودہ کام اسی جانب ایک پیش رفت ہے۔

میتھیوز نے یہ انتخاب پورے اردو کلام سے کیا ہے۔ اگرچہ اس انتخاب میں بہت عمدہ نظمیں شامل کی گئی ہیں لیکن بعض شاہکار فکری منظومات اس میں موجود نہیں۔ اقبال کے اردو کلام کے کسی انتخاب کو کیسے نمایندہ قرار دیا جا سکتا ہے جب اس میں ''ہمالہ''، ''جواب شکوہ''، ''لالہ صحرا''، ''ذوق وشوق''، ''شعاع امید'' اور ''ابلیس کی مجلس شوریٰ''، جیسی نظمیں شامل نہ ہوں۔

ایک بڑی کمی یہ ہے کہ اقبال کی زندگی کا بہت تشنہ اور مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے۔ مزید براں بعض فوری توجہ طلب مسائل، جیسے اقبال کی شاعری سے متعلق ایسے اہم واقعات جو ان کے مستقبل پر بہت زیادہ اثر انداز ہوئے، انتہائی غیر محتاط طریقے سے پیش اور ترجمہ کیے گئے ہیں۔

جناب میتھیوز کے کام کا معیار ظاہر کرتا ہے کہ انھوں نے اس دقت طلب کام میں بھرپور کوشش صرف نہیں کی۔ حتیٰ کہ تعارفی حصے میں بعض بیانات غیر متوازن اور غیر ذمہ دارانہ ہیں۔ وہ اقبال کی زندگی کے اہم نکات کو اس انداز سے پیش کرتے ہیں:

> اقبال ۱۹۰۸ء میں ہندوستان واپس آئے اور گورنمنٹ کالج میں لیکچرر ہو گئے۔ تدریس چونکہ ان کا میدان نہ تھا لہٰذا وکالت اختیار کرنے کے لیے انھوں نے اس سے استعفا دے دیا تھا۔ باقی ماندہ زندگی خوش حالی سے بطور ایک کامیاب وکیل گذاری۔ لیکن یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ انھیں اس پیشے سے بھی کوئی بہت زیادہ دلچسپی نہ تھی۔ انھوں نے زندگی کا بیشتر حصہ اپنی شاعری پر توجہ اور انہماک کے لیے مختص کر دیا۔ اس کے علاوہ ان کی زندگی میں کوئی خاص قابل ذکر بات نہیں۔ ص ا

اقبال جیسے شخص کی زندگی کا یہ کوئی اچھا تجزیہ نہیں، جس نے نہ صرف تاریخ بلکہ برعظیم کے جغرافیے کو بھی بدل دیا۔

کچھ آگے چل کر میتھیوز نے اقبال کی ضرب کلیم سے متعلق ڈاکٹر صادق کی رائے اپنی بات کی تصدیق کے لیے پیش کی ہے کہ ''اس میں اقبال نے اپنا مافی الضمیر بیان کیا ہے اور اس کے علاوہ ان کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں''۔ جواباً یہ بات بطور خاص یاد رہے کہ بلندیِ فکر اور متنوع تصورات کے لیے کلام اقبال میں ضرب کلیم کا کوئی ثانی نہیں۔ اس کے بعد ارمغان حجاز آئی جو بذاتِ خود شاعرانہ اعتبار سے تازگی اور خیالات کی گہرائی کے اعتبار سے اقبال کی مجموعی نمایندگی کرتی ہے۔

صفحہ نمبر ے پر میتھیوز نے مشہور نظم ''ساقی نامہ'' سے چند اشعار کا انتخاب کیا ہے۔ جس میں اقبال مسلمانوں کے زوال کے پس منظر میں تصوف کی پستی پر افسوس کرتے ہیں۔ اس ضمن میں میتھیوز کے تاثرات ملاحظہ کیجیے:

> دور جدید کا یہ اذیت ناک تصور ہے۔ اقبال کا عقیدہ تھا کہ اس سراب سے نکلا جائے اور حقیقت کا رُخ کیا جائے۔ بہر حال انھوں نے ایران کی متصوفانہ فکر کا گہرا مطالعہ کیا اور اپنے لیے راہ نما کے طور پر رومی کو منتخب

کیا اور جو قرونِ وسطیٰ میں فارسی کی صوفیانہ روایت کا سب سے بڑا شخص تھا۔

یہ عبارت تھوڑی سی مبہم ہے۔ اگرچہ مصنف کا یہ عقیدہ ہے کہ اقبال، رومی کے خیالات سے متاثر ہیں اور زندگی سے متعلق ان کا رویہ وجدانی حقیقت پسندی کا ہے، جس کے لیے رومی ایک علامت ہے۔ درحقیقت اقبال، رومی کے تصوف کو اپنے مثبت اور متحرک نظریات میں پیش کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ عجمی تصوف زندگی کے منافی تو ہے ہی، اقبال کے نزدیک وہ روحِ اسلام کے بھی منافی ہے۔ ان تاثرات سے اقبالیات کے اہم علمی گوشوں پر اظہارِ رائے میں مصنف کی کم علمی کا گمان ہوتا ہے۔ تعارف کو پیش کرتے ہوئے بھی پوری کتاب میں مدغم کر دیا گیا ہے۔ مثلاً اقبال کی نظم ''بالشویک روس'' پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے میتھیوز کہتے ہیں:

> ۱۹۱۷ء کے بالشویک انقلاب نے روس کو سرکاری طور پر ملحدانہ ریاست بنا دیا تھا۔ اقبال مغربی عیسائیت کا سخت مخالف ہے۔ چرچ کے زوال پر بڑا خوش دکھائی دیتا ہے اور غیر منطقی طور پر یوں دکھائی دیتا ہے جیسے وہ اس ملحدانہ انقلاب پر خوش ہے۔ (ص ۱۸۳)

اقبال کے انقلابی خیالات کی اس تصویر کو قابلِ ملامت ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اقبال نے پال کی زیرِ اثر پیدا ہونے والی راہبانہ عیسائیت (Pauline Christianity) کے اس خوفناک پہلو پر شدید تنقید کی ہے۔ وہ لادینیت کے پہلو ہی کو نہیں بلکہ ملحدانہ مادہ پرستی کو بھی برابر ناقابلِ قبول سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اس میں روحانی پہلوؤں کو نظرانداز کیا گیا ہے۔

بینتو مسولینی سے اقبال کی ملاقات کے بارے میں میتھیوز کہتے ہیں کہ اس طرح وہ ''مغربی امپیریلزم کا تریاق'' چاہتے تھے۔ (ص ۱۸۳) میتھیوز اقبال کی نظم کو سمجھ ہی نہیں سکے۔ اقبال اس نظم میں مسولینی کی غلطیوں کی تائید نہیں کرتا بلکہ مغربی امپیریلزم کے تاریک پہلوؤں کو نمایاں کرنا چاہتے ہیں۔

میتھیوز نے ترجمے کا جو طریقہ اختیار کیا ہے اسے شاید لفظی ترجمہ تو کہا جا سکتا ہو، البتہ اس سے شاعری کا تیا پانچا ہو جاتا ہے۔

اگر ایک طرف فٹز جیرالڈ کا عمر خیام کا ترجمہ موجود ہو، پھر مجھے کسی ایسے نام نہاد سکالر کا ترجمہ میسر آئے جس کی مادری زبان فارسی اور انگریزی ہو، تو میں فٹز جیرالڈ کے ترجمے سے دستبردار نہیں ہوں گا۔ اقبالیات کے ایسے طلبہ کے لیے جو اردو نہیں جانتے اس کے فوائد واضح ہیں۔ اگرچہ لفظی ترجمے کے بھی کچھ فائدے ہیں لیکن میتھیوز نے ترجمہ انتہائی بھدے انداز سے کیا ہے۔ اس کی وضاحت کے لیے چند مثالیں دیکھیے:

۱۔ صفحہ نمبر ۵ پر اقبال کی مشہور نظم ''ہمالہ'' کے ایک شعر کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے کہ اس سے شاعرانہ حسن ابھر کر سامنے نہیں آتا:

ایک جلوہ تھا کلیمِ طورِ سینا کے لیے
تو تجلی ہے سراپا چشمِ بینا کے لیے

موسیٰؑ اور ہمالہ کے درمیان اس شعر کی خوبی کو غلط معانی دیے گئے ہیں۔ موسیٰؑ کو صرف جلوہ دکھایا گیا اور دیکھنے والی آنکھ کے لیے ہمالہ بے شمار جلوے پیش کرتا ہے۔ یہاں اس شعر کی خوبی اس تقابل میں پوشیدہ ہے جو

موسیٰؑ کو عطا کردہ ایک جلوے اور ہمالیہ میں پوشیدہ تجلی میں کیا گیا ہے۔ میتھیوز کے ترجمے میں یہ نکتہ موجود نہیں بلکہ ان کا ترجمہ خام ہے، وہ اسے اس طرح پیش کرتے ہیں۔

Once Moses saw the face of God upon mount Sinai
You are the self - same vision for the true discerning eye.

۲۔　صفحہ نمبر ۲۲ پر مضحکہ خیزی ملاحظہ کریں:

لیے ہے پیرِ فلک دستِ رعشہ دار میں جام

اسے یوں ترجمہ کیا گیا ہے:

The old man of the sky (The sun), holds the
goblet in his trembling hands.

یہاں وہ شاعرانہ استعارے کو گرفت میں لینے میں ناکام رہے ہیں۔ آسمان یہاں بوڑھا آدمی ہے اور جو (شراب کا) پیالہ وہ شام کے وقت اپنے لرزتے ہاتھوں میں لیے ہوئے ہے، وہ ''سورج'' ہے:

۳۔　صفحہ نمبر ۵۶ پر اقبال نے والدہ مرحومہ کو اس طرح مخاطب کیا ہے:

زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر

جناب میتھیوز اس مصرع کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

Life was made brighter by your moonlight

وہ لفظ ''سے'' کا ترجمہ By کرتے ہیں۔ حالانکہ اس مصرعے میں اس کے اصل معانی Than یعنی بہ نسبت کے ہیں۔

۴۔　اسی طرح مصنف نے ''طلوعِ اسلام'' کے ایک شعر کا ترجمہ بھی غلط کیا ہے کیونکہ اردو الفاظ و تراکیب پر ان کی گرفت کمزور ہے اور وہ اردو شاعری کے پس منظر سے ناواقف ہیں۔ مشرق میں راہب اور جوگی جو عام انسانی آبادیوں سے دور رہتے ہیں اور وہ اپنی جھونپڑیوں کے گرد روشنی جلائے رکھتے ہیں تاکہ بھولے بھٹکے رستہ پاسکیں۔ اقبال مردِ مومن کے یقین کو ایسی ہی ایک روشنی قرار دیتے ہیں:

گماں آبادِ ہستی میں یقیں مردِ مسلماں کا
بیاباں کی شبِ تاریک میں قندیلِ راہبانی

جناب میتھیوز اس کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں:

In the abode of doubts of existence is the certainty of the Muslim hero; in the darkness of the desert night is the candle of the monks. (p.79)

۵۔　اردو زبان کے دروبست کو نہ سمجھنے کے نتیجے میں ''مسجدِ قرطبہ'' کے مطالب کو سمجھنے میں بھی انھوں نے غلطی کی ہے:

دیدہ انجم میں ہے تیری زمیں آسماں

جناب میتھیوز اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

Your land and heaven are in the eyes of stars.(P.104)

۶۔ ''ساقی نامہ'' کے ایک شعر میں اقبال خودی سے متعلق کہتے ہیں:

یہ عالم یہ بت خانہ شش جہات
اسی نے تراشا ہے یہ سومنات

جناب میتھیوز نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

This world, this six- dimensional idol - temple.
This very world fashioned this shrine of Somnath.(p.117)

۷۔ بال جبریل سے ایک شعر اسی طرح ہے:

کرتی ہے ملوکیت آثار جنوں پیدا
اللہ کے نشتر ہیں تیمور ہو یا چنگیز!

قرون وسطیٰ میں دیوانگی کا علاج نشتر کے ذریعے فصد کھول کر خون نکالنے سے کیا جاتا تھا۔ اقبال کا یہ عقیدہ ہے کہ امپیریلزم کے لیے بھی سکندر، تیمور اور چنگیز جیسے نشتروں کی ضرورت ہے۔ جناب میتھیوز بہت بھدے انداز سے شعر پر تبصرہ کرتے ہیں:

Kingship can turn a man's head and make him mad. Traditional medicine prescribed blood-letting with a scalpel as a cure for madness. Timur (Tamberlane) and Chingiz (Gengis Khan), stories of whose massacres are legend, are given as examples of Muslim rulers punished by God for becoming too intoxicated with their own power.(p.170)

اقبال کے شعر میں تو بہت واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ تیمور اور چنگیز سزا کے لیے بذاتِ خود خدا کے نشتر ہیں۔

جہاں تک مفرد الفاظ اور تراکیب کے ترجمے کا تعلق ہے، پوری کتاب غلطیوں سے بھری ہوئی ہے۔ یہاں چند نمایاں غلطیوں کی نشان دہی کی جا رہی ہے۔

اصل	میتھیوز کا ترجمہ	صحیح ترجمہ
موجِ مضطر	The wave was restless	The restless wave
فقیری	Beggary	Contentment and Independence
دختر	Sister	Daughter
دوام	Running, speed	Eternity
سبز پوش	Verdure	decked in verdure
شرع	Commentary on the Quran	Law of Shariah
غماز	Story teller	Indicator-that which reflects
مغرب زدہ	Struck on the west	Westernized

کتاب کا تمام ذخیرۂ الفاظ نا قابلِ معافی غلطیوں سے بھرا ہوا ہے اور اسے مکمل طور پر دوبارہ لکھنے کی ضرورت ہے۔ ایسی خامیاں ''اقبال کی فارسی'' والے حصے میں بھی ہیں۔ کتاب میں کتابت کی بے شمار غلطیاں

ہیں صفحات کی بے ترتیبی کی الجھن (جو بظاہر جلد ساز کا کام ہے) کو دیکھا جائے تو اس کتاب کے نقائص میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ جو بھی اسے دیکھے گا، فطری طور پر اس کی تمنا ہو گی کہ ایک تو اس انتخاب میں اقبال کی بعض اہم نظموں کو شامل کیا جائے، دوسرے موجودہ سرسری کتابیات کی جگہ مفصل کتابیات مرتب کی جائے۔ اسی طرح کتاب کا اشاریہ بھی ہونا چاہیے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس پر کسی اقبال شناس سے نظر ثانی کرانا ضروری ہے۔ اگر ان باتوں کا اہتمام کر لیا جائے، تبھی یہ ایڈیشن، اقبال کے چاہنے والوں کے لیے ایک وقیع تحفہ بنے گا۔

۞ ۞ ۞

۞ **ڈاکٹر ایوب صابر**، اقبال کا اردو کلام، مقتدرہ قومی زبان، پطرس روڈ، اسلام آباد، صفحات ۱۹۸، قیمت ۱۲۵/- روپے۔ مبصر: عبداللہ شاہ ہاشمی۔

ہماری علمی و فکری اور شعری و ادبی زندگی پر علامہ اقبال کے فکر و فن اور افکار و نظریات کے اثرات حیاتِ اقبال ہی میں مرتب ہونا شروع ہو گئے تھے مگر اس کے ساتھ ہی ان کی شاعری پر نقد و اعتراضات کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا تھا اور اس میں وقت کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوتا گیا۔ اقبال کی شخصیت، تصورِ اسلامی قومیت، اتحاد عالمِ اسلام، تصوف اور ان کے تصور پاکستان پر کئی پہلوؤں سے اعتراضات کیے گئے۔ اختلافات، اعتراضات بلکہ بیانات کا یہ سلسلہ کسی نہ کسی شکل میں اب تک جاری ہے۔ گو علمائے اقبالیات نے وقتاً فوقتاً ان الزامات کی تردید کی اور اعتراضات کے مُسکت جوابات بھی دیے لیکن عرصے سے اس بات کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ اعتراضات کا سنجیدگی سے جائزہ لے کر تحقیقی انداز میں تجزیہ کرتے ہوئے مدلل اور بھرپور جواب دیا جائے۔

پروفیسر ایوب صابر ایک کہنہ مشق اور پختہ کار ادیب اور محقق ہیں۔ انھوں نے اقبال دشمنی۔ ایک مطالعہ لکھ کر دفاعِ اقبال کا سفر شروع کیا تھا اور پھر اسی موضوع کو آگے بڑھایا اور ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی زیر نگرانی پی۔ ایچ۔ ڈی کے لیے اقبال کی شخصیت اور فکر و فن پر اعتراضات کا جائزہ کے عنوان سے تحقیقی مقالہ لکھ کر پنجاب یونیورسٹی سے ڈگری لی۔ انھوں نے اس سلسلے میں ہندو پاک کی لائبریریوں، انڈیا آفس لائبریری لندن اور متعدد ماہرین اقبالیات سے استفادہ کیا موصوف کو تحقیق اور موضوع سے ایسی دلچسپی تھی کہ انھوں نے پروفیسر کا گاؤن اتار کر، ملازمت سے قبل از وقت سبک دوشی اختیار کی یکسو ہو کر ہمہ وقتی طور پر پورے انہماک سے تحقیقی کام میں مصروف ہو گئے۔ اقبالیات میں اس نوعیت کا کام، اس قدر مربوط انداز میں کبھی نہیں ہوا۔

انھوں نے اس کام کو چھ مستقل تصانیف کی شکل میں پیش کرنے کا جو منصوبہ بنایا ہے زیر نظر کتاب اس سلسلے کی دوسری کڑی ہے۔ قبل ازیں اقبال کی شخصیت پر اعتراضات کا جائزہ کے عنوان سے پہلا

حصہ چھپ چکا ہے۔

جو ادبی معرکہ آرائی میر و سودا اور انشاء و مصحفی کے دور میں شروع ہوئی، شاید یہ اُسی روایت کا اثر تھا کہ بیسویں صدی کے شروع میں جب اقبال کی شاعری کا چرچا ہوا تو اہلِ زبان نے لسانی تفاخر کی بنا پر اور کچھ اہل پنجاب سے لسانی تعصب کی بنیاد پر، اقبال کی شاعری کو نشانۂ اعتراض بنایا۔ ماہرین اقبالیات کے نزدیک اس میں اعتراض کا پہلو کم اور مخالفت برائے مخالفت کا رویہ زیادہ نمایاں تھا۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل کی رائے میں اس رویے کا آغاز ان کی شاعری کے ابتدائی دور میں لسانی و عروضی معائب تلاش کرنے میں دیکھا جا سکتا ہے۔ جب ہمارے سنجیدہ اور پختہ کار اکابر شعر و ادب بھی اقبال کی لسانی و فنی خامیوں کی نشان دہی کرتے ہیں۔ اپنے غیر سنجیدہ اور ناگوار رویے کے اظہار میں بخل یا تکلف سے کام نہ لیا۔ فاضل محقق نے اس تنقید و تنقیص اور اعتراضات و اتہامات کی وجوہ پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ اگرچہ بعض اعتراضات بظاہر خلوصِ نیت سے کیے گئے لیکن اکثر و بیشتر اعتراضات لسانی تفاخر، علاقائی تعصب، ناقدین کی کم فہمی و کم علمی، احساسِ کہتری یا جذبہ اقابت کا نتیجہ ہیں۔ کچھ اعتراضات کا اقبال نے خود بھی جواب دیا تھا۔ پروفیسر ایوب صابر نے متعدد عنوانات، اہل زبان اور اقبال، اقبال کے فن کو پرکھنے کا معیار، زبان و بیان پر اعتراضات کے نمایاں پہلو، فنی اعترضات کے جدید زاویے وغیرہ کے تحت چھ ابواب میں ان الزامات کی چھان پھٹک کی ہے۔ انھوں نے کس قدر باریک بینی اور دیدہ ریزی سے کام کیا ہے اس کا اندازہ کتاب پڑھنے ہی سے کیا جا سکتا ہے، مثلاً: اقبال پر ہونے والے لسانی اعتراضات کو روز مرہ، محاورے، نے سے اور کو کا استعمال، تذکیر و تانیث، واحد جمع، متروکات، تعقید لفظی سقم، نامانوس تراکیب، حشو و زواید، فارمیٹنگ، تخالفِ ضمائر وغیرہ ذیلی عنوانات کے تحت بحث کی ہے۔ انھوں نے یہ جنگ انھی ہتھیاروں سے لڑی ہے جو اہل زبان نے استعمال کیے اور بالعموم اہل زبان ہی سے دلیل اخذ کی ہے۔ جوش ملسیانی، اثر لکھنوی، یگانہ، جوش اور کلیم الدین احمد کے اعتراضات کا جواب اکبر حیدری، خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر منظر اعظمی اور ڈاکٹر عبدالمغنی نے دیا ہے اور ان کی تصانیف سے شواہد یکجا کیے ہیں۔ وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ:

> اقبال نے نئے محاورات، نئے استعارے، نئی تراکیب اور نئی تلمیحات وضع کیں۔ انھوں نے زبان کا ایک منفرد اور جدید قالب تیار کیا غالب نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ بڑی شاعری کا یہ وصف ہے کہ وہ اپنا قالب خود تیار کرتی ہے۔ اس کی سند اساتذہ ماقبل کے ہاں تلاش کرنا یا اس تلاش پر اصرار کرنا لسانی شعور و آگہی کے منافی ہے

پروفیسر ایوب صابر مزید لکھتے ہیں کہ:

> اقبال کی زبان ان کے جذبہ و تخیل کا ایسا پیکر ہے کہ لفظ و معانی کو الگ کر کے دیکھنا ممکن نہیں۔ فنی امور اور فکری توانائی کلام اقبال میں کمال کی حدوں کو چھو رہے ہیں ان کا معجزۂ فکر، معجزۂ فن بن کر نمودار ہوا ہے۔

پروفیسر ایوب صابر نے جس وقت نظر اور غیر جانبداری سے تحقیق کے مسلمہ اصولوں کے تحت اقبال پر ہونے والے اعتراضات اور الزمات کا جائزہ لیا ہے اور مدلل انداز سے ان کے شافی جوابات دیے ہیں، وہ بلاشبہ ''مرداں چنیں کنند'' کے زمرے میں آتا ہے۔

۞ یاسمین کوثر، جگن ناتھ آزاد بطور اقبال شناس، اردو فورم ایورگرین کمپوزرز اینڈ پبلیشرز، جموں توی، صفحات ۲۸۶، قیمت ۲۰۰/- روپے۔ مبصر: عبداللہ شاہ ہاشمی

جگن ناتھ آزاد ایک حساس گداز طبع شاعر، ایک دردمند و عالی ظرف انسان اور ایک بلند پایہ ادیب اور صحافی تھے۔ توازن اُن کی شخصیت کا اہم جز و رہا۔ وہ اطلاعات ونشریات کے اداروں سے وابستہ رہے اور جموں یونیورسٹی میں پروفیسر اور صدر شعبہ اردو کے طور پر بھی فرائض سرانجام دیے مگر ان کی اصل پہچان ان کی اقبال شناسی ہے۔ خصوصاً بھارت میں فروغِ اقبال کے سلسلے میں ان کی فکری کاوشوں کو سب سے زیادہ دخل ہے۔ یہ بات آزاد کی شخصیت کے لیے باعثِ فخر و امتیاز ہے اور ایک اعزاز بھی۔

زیرِنظر کتاب جگن ناتھ آزاد بطور اقبال شناس ان کی اقبال شناسی کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے اور ان کی شخصیت کا تعارف بھی ہے۔ یہ دراصل ایم۔اے اردو کی سطح کا مقالہ ہے جو جگن ناتھ آزاد کے دوست اور ممتاز اقبال شناس پروفیسر ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی زیرِنگرانی، یونیورسٹی اورئینٹل کالج لاہور میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔ یاسمین کوثر نے جس کاوش اور محنت سے اس مقالے کی تکمیل کی، اس کا اندازہ مقالے کے عمدہ معیار، ترتیب، ابواب بندی اور مواد، آزاد کے مفصل سوانح، شخصیت کے نمایاں پہلوؤں اور ان کے مضامین و کتب کے تعارف ومباحث وغیرہ سے ہوتا ہے۔

کتاب چار ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں آزاد کی شخصیت اور ان کے سوانحی کوائف ہیں جو ان کے مختلف مصاحبوں سے اخذ کیے گئے ہیں۔ ان کی متنوع علمی، تعلیمی اور اقبالیاتی مصروفیات سے ان کی شخصیت کے تعمیری عناصر کا پتا چلتا ہے۔ دوسرے باب میں اقبال سے ان کی وابستگی کے اسباب کا سراغ لگایا گیا ہے (اقبال شناسی کے پہلے لوگ ان کے والد تلوک چند محروم تھے جو نہایت اچھے شاعر اور غیر جانبدار شخصیات کے مالک تھے) تیسرے باب میں اقبال پر آزاد کی نصف درجن کتابوں کی تعارف پر مشتمل ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آزاد نے اقبال کی سوانح پر لکھا، فکر و فن پر قلم اٹھایا۔

بچوں اور نوجوانوں کے لیے بھی لکھی اور یہ امر بھی قابلِ ستایش ہے کہ آزاد کہ آزاد کی اقبالیاتی کارشیں بیک وقت اردو اور انگریزی میں جاری رہیں۔

آخری باب میں جگن ناتھ آزاد کی اقبال شناسی کا مجموعی جائزہ پیش کیا گیا ہے یہ کتاب آزاد کی احوال و آثار کا عمدہ ریکارڈ ہے۔

۞ ۞ ۞